

حجاب اور اجتماعی سرگرمیاں

مولانا گوہر رحمن

ڈاکٹر انیس احمد

چہرے کے پردے، خاندانی زندگی میں حجاب کے آداب و حدود اور اجتماعی اور دعوتی سرگرمیوں میں عورتوں کی شرکت کے بارے میں سوالات برآمد آتے رہتے ہیں۔ اس سے پہلے مدیر توجہ القرآن، خرم مراد مرحوم نے توجہ القرآن (رسائل و مسائل نومبر ۱۹۹۱) میں ایک تحریر بن کے جواب میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا جس پر ایک دوسری بن نے گیارہ سوالات قائم کیے ہیں اور ان کے بارے میں رہنمائی چاہی۔ ہم نے ان سوالات کے بارے میں محترم مولانا گوہر رحمن صاحب اور جناب ڈاکٹر انیس احمد کو اظہار خیال کی دعوت دی۔ دونوں کے جوابات شائع کیے جا رہے ہیں۔ ان میں اصل مسائل کے بارے میں بڑی وقت نظر سے، گو بڑے اختصار کے ساتھ، تمام ہی اہم پہلوؤں کا (بشمول اختلافی آراء) اظہار کر لیا گیا ہے۔ نیز احکام کی تشریح و تعبیر اور حالات پر ان کی تطبیق کے باب میں بھی بڑی مفید رہنمائی فراہم کی گئی ہے۔ ”ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است!“ انداز بیان اور تقسیم و تعبیر احکام میں اختلاف کے باوجود مقصد کے تعین اور غور و فکر کے انداز میں اشتراک و اتفاق بھی اس محقق و تجزیہ کا ایک پہلو ہے۔ ان دونوں نقطہ ہائے نظر کی اشاعت کا مقصد کسی بحث کو جنم دینا نہیں بلکہ غور و فکر کے جملہ پہلوؤں کو پوری علمی متانت کے ساتھ قارئین تک پہنچانا ہے اور انھیں دین حق کے احکام و آداب اور اپنے ضمیر کے مطابق فکر و عمل کی دعوت دینا ہے۔ دیانت اور اخلاص پر مبنی اختلاف بھی ہماری روایت کا اسی طرح ایک ورکشاپ حصہ ہے جس طرح اتفاق اور اجماع۔ چونکہ مزید بحث پیش نظر نہیں اس لیے مزید سوال و جواب کے لیے بلا واسطہ اہل علم سے خط و کتابت کا راستہ اختیار کیا جائے۔ توجہ القرآن کے صفحات پر اب اس گفتگو کو مزید آگے بڑھانا ممکن نہیں۔ (مدیر)

۱۔ آپ نے لکھا ہے کہ چہرے کے پردے کے بغیر سامنے آنے کے بکثرت مظاہر موجود ہیں جن کو جمع کر دیا گیا

ہے۔ کتابوں کے نام و مصنفین سے آگاہ کیجیے تاکہ براہ راست استفادہ کیا جاسکے؟

۴۔ کیا آپ کے خیال میں چہرہ، عورت کی سب سے بڑی زینت نہیں؟

۵۔ کیا چہرہ کھول کر ہی خاندانی روابط کو جوڑا جاسکتا ہے؟ بہت سی ایسی خواتین بھی دیکھی ہیں جو گھونٹھٹ کی طرح پلو لٹکا کر بہترین خاندانی روابط نبھا رہی ہیں۔ شریعت کی رو سے کون سا طریقہ زیادہ پسندیدہ اور مطلوب و مقصود ہے؟

۶۔ آج کے معاشرے میں جس طرح چہرے کا پردہ کرنے سے خاندانی روابط کے سرد پڑ جانے کا خدشہ ہے بعینہ عورت کے علیحدہ گھر کے مطالبے سے بھی خاندانی روابط کے منقطع ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ لہذا اولین ترجیح حکم شرعی کو دی جانی چاہیے یا افراد کی پسند کو جو اعلیٰ اور معاشرتی و اخلاقی تنزل کی وجہ سے کافی حد تک غیر اسلامی ہو چکی ہے۔ جو عورت خود دوسروں کے موڈ، پسند، روایات کو دیکھ کر اسلامی احکامات میں گنجائش اور رخصتیں نکالتی چلی جائے گی کیا اس کی تبلیغ موثر ہو سکتی ہے؟ دوسروں کو بدلنے کے لیے خود اسلامی احکامات پر استقامت لازمی ہے ورنہ نتائج منفی ہی رہتے ہیں۔ میرے مشاہدے کی حد تک تو یہی صورت حال ہے۔

۷۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی کے لیے بھی آپ کے نزدیک چہرے کا پردہ رکاوٹ ہے۔ لیکن جس طرح عام معاشرے میں مرد، مردوں میں اور عورتیں عورتوں میں یہ فرض ادا کرتی ہیں، کیا خاندان کے اندر بھی یہی اصول کار فرما نہیں ہونا چاہیے؟ اور اگر بالفرض کوئی ایسی ناگزیر صورت درپیش ہو تو کیا فون اور خط کے ذریعے یہ فرض ادا کرنا حیا اور نسوانیت کے تقدس کے لحاظ سے زیادہ بہتر اور پسندیدہ نہیں؟

۸۔ بچے ماموں اور چچا تک سے چہرے کے پردے میں غلو کی سمجھ تو آتی ہے لیکن کیا آپ کے خیال میں جوان چچا زاد، پھوپھی زاد، خالہ زاد، ماموں زاد بھائیوں سے چہرے کو بہت زیادہ open نہ کرنا بھی ”غلو“ میں داخل ہے؟

۹۔ اگر کچھ لوگ غیر مسلموں سے مشابہت، وقت، پیسے کے خیال اور لغویات میں پڑنے سے اجتناب کی بنا پر بعض ”لمبوسات اور رسومات“ سے اجتناب کرتے ہیں تو کیا یہ بھی دین میں ”غلو“ ہوگا؟

۱۰۔ اگر کوئی خاتون رخصتوں سے فائدہ اٹھانے کے بجائے عزیمت کی راہ اختیار کرنا چاہے تو آپ کے خیال میں اسے اس پر ابھارنا چاہیے یا رخصتوں اور گنجائشوں کا علوی بنانا چاہیے؟

۱۱۔ آپ نے لکھا ہے کہ: ”چہرے کا پردہ اختلافی ہے“ یہ معروف بات ہے، لیکن میں نے تو ایم اے کے دوران جتنی بھی تقایر اور کتابیں اس موضوع پر پڑھی ہیں ان میں یہی پڑھا ہے کہ: ”چہرے کے پردے کو ہمیشہ اختلافی بتایا جاتا رہا حالانکہ یہ نص قطعی سے ثابت ہے!“

۱۲۔ دور نبویؐ میں مشترک مذہبی اجتماعات کی مثالیں تو ملتی ہیں جہاں خواتین سامع کی حیثیت سے دینی تعلیم حاصل کرتی تھیں لیکن ”مشترک سیاسی اجتماعات“ کی کوئی مثال ہو تو بتائیے آج کل جو مظاہرے، دھرنے، ریلیاں

ہو رہی ہیں، کیا اس کا جواز شریعت میں ہے؟

۱۔ ایک مسلم خاتون جسے اپنی ذات، گھربار، اڑوس پڑوس، عزیز و اقارب، میں دین کی خدمت انجام دینا ہے، جملہ گھریلو ذمہ داریوں کے ساتھ۔۔۔ کیا وہ دنیا بھر کی تحرکی ساتھیوں کے ساتھ مل کر بھی کام کرنے کی مختلف ہے؟ مغرب کی طرح کیا اسلام بھی ایسی ”مشیقی خاتون“ کا تصور دیتا ہے؟ اور کیا اس سے خاندانی نظام کمزور نہیں ہوتا، جس طرح مغرب میں ہوا۔۔۔؟ اسلام میں ایسی گنجائشوں کا نکالنا مباح ہے یا حرام؟

مولانا گوہر رحمن

سوالات کے جوابات تحریر کرنے سے قبل چند متفقہ و مسلمہ قواعد کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے تاکہ جوابات کو سمجھنے میں ان کو مد نظر رکھا جائے۔ ان قواعد کے دلائل بیان کرنا اور ان کی تحقیق و تفصیل پیش کرنا ضروری نہیں ہے، صرف اشارات کافی ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ فہم قرآن اور فہم حدیث کے لیے صحابہؓ و تابعینؓ اور دوسرے سلف صالحینؓ کی تحقیقات و تشریحات کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔

۲۔ قرآن و سنت اور سلفؓ کی تشریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کا دائرہ کار بھی محدود ہے اور طریق کار بھی مخصوص ہے۔ اسی طرح کچھ فرائض ایسے بھی ہیں جو عورتوں کی ذمہ داری نہیں ہیں بلکہ مردوں کی ذمہ داری ہیں۔ اس لیے اپنے اصل فرائض کو چھوڑ کر اور تقسیم کار کے اصول کو توڑ کر مردوں کے دائرہ کار میں داخل ہونا حدود اللہ سے تجاوز کرنا ہے۔

۳۔ ضرورت و مصلحت کے تحت دی گئی وقتی رخصتوں کو مستقل حکم شرعی بنانا اور معمول کے حالات کے لیے بطور نظیر پیش کرنا جائز نہیں ہے۔

۴۔ دین یقیناً آسان ہے لیکن اس کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ حالات و علوات کی وجہ سے جو حکم لوگوں کو مشکل نظر آ رہا ہو، اس کو آسان بنا دو، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا دین آسان ہے، اس پر عمل کرو اور اپنی طرف سے اس کو مشکل نہ بناؤ۔ اصل حکم شرعی ٹھیک ٹھیک بتا دیا جائے تاکہ آئندہ نسلوں تک دین کے احکام منتقل ہو جاتے رہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی مجبوری یا کمزوری کی وجہ سے اس پر عمل نہ کر سکا تو معافی کی امید تو کی جانی چاہیے لیکن دینی احکام کو لوگوں کی عادت اور طبیعت کے تابع بنانا بہت بڑا جرم ہے۔

۵۔ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہے بلکہ کھلا ہے اور اہلیت رکھنے والوں کے لیے اجتہاد کرنا ضروری بھی ہے لیکن نصوص اور ان کی اجماعی تعبیر کے خلاف اجتہاد کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

۶۔ جو احکام عرف پر مبنی ہوں، وہ عرف کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں لیکن جو احکام نصوص پر مبنی ہوں، وہ عرف کے بدلنے سے نہیں بدلے جاسکتے۔

- ۷۔ مباح بلکہ مستحسن کام بھی اگر شرعی مفاسد کا ذریعہ بن سکتے ہوں تو وہ ممنوع ہو جاتے ہیں اور قانون سبذریعہ کے تحت ان پر پابندی لگائی جاسکتی ہے۔
- ۸۔ غلو کے معنی ہیں حد سے آگے نکلنا۔ اس مفہوم کے لحاظ سے خواتین کو اپنے اصل دائرہ کار سے نکل کر مردوں کے دائرہ کار میں لانا بھی غلو ہے اور ان پر غیر شرعی پابندیاں لگانا بھی غلو ہے۔
- ۹۔ اختلافی مسائل میں ضرورت و مصلحت کی بنا پر مسلک رائج کو چھوڑ کر مسلک مرجوح پر بھی اخلاص نیت کے ساتھ عمل کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ ضرورت حقیقی ہو۔
- ۱۰۔ اختلافی مسئلہ وہ ہوتا ہے جو دور صحابہؓ سے اختلافی چلا آ رہا ہو۔ وہ مسئلہ اختلافی نہیں کہلایا جاسکتا جس کو دور حاضر کے مجددین نے اختلافی بنا لیا ہو۔ البتہ نئے مسائل کے حل کے لیے نیا اجتہاد کیا جاسکتا ہے اور کرنا چاہیے!

ان عشرہ کلمہ کے بعد اب اصل سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمائیے اور عمل کرنے کا عزم کیجیے۔
سوالنامے میں پوچھے گئے گیارہ سوالات دراصل تین مسائل سے تعلق رکھتے ہیں، ایک ہے چہرے کا پردہ، دوسرا ہے غیر محرم رشتے داروں سے پردہ اور تیسرا مسئلہ ہے خواتین کا کھلے عام مظاہرے کرنا۔ ان تین مسائل کی تنقیح و توضیح سے ان شاء اللہ استفسار کرنے والی محترم خاتون کی تشفی ہو جائے گی۔ میں اپنے جوابات کو انہی مسائل تک محدود رکھوں گا اس لیے کہ یہی پوچھے گئے ہیں۔

چہرے کا پردہ

(۱) موجودہ بگڑے ہوئے معاشرے میں خواتین کے لیے غیر محرم مردوں کے سامنے چہرہ کھولنا ممنوع ہے۔ البتہ شریعت میں دی گئی استثنائی صورتوں میں چہرہ کھولنے کی بقدر ضرورت اجازت ہے۔ دلائل کا خلاصہ یہ ہے:

ابتداءً اسلام میں چہرہ غیر محرم مردوں کے سامنے کھولنا جائز تھا۔ ہجرت کے بعد ذوالقعدہ ۵ھ میں حجاب کے بارے میں یہ حکم نازل ہوا، "وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسَلُّوهُنَّ مِنْ وَرَائِهِنَّ حِجَابٍ - ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ (الاحزاب ۳۳: ۵۳)" "جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو۔ یہ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کو پاک و صاف رکھنے کا موثر ترین ذریعہ ہے۔"

جو لوگ کہتے ہیں کہ حجاب کا یہ حکم امات المؤمنین یعنی ازواج رسولؐ کے لیے تھا اور اس کی علت ان کا اکرام و احترام تھا، ان کی یہ بات آیت کے سیاق اور نظم کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حجاب کے حکم کی علت ازواج رسولؐ کا احترام و اکرام نہیں بتائی اگرچہ یہ تقاضا ایمان ہے، بلکہ قلوب کی طہارت کو اصل علت قرار دیا ہے، جس کی ضرورت امت کی عام خواتین کے لیے امات المؤمنین اور صحابیات کے مقابلے

میں زیادہ ہے۔ اس لیے کہ ان کے دلوں میں کجی اور کھوٹ پیدا ہونے کا خطرہ زیادہ ہے۔ اس حکم کی مزید تاکید کے لیے یہ آیت بھی نازل ہوئی: ”اور گھروں ہی میں ٹھہری رہو اور جاہلیت کے پہلے دور کی طرح اپنی زینت و زیبائش کو نمایاں نہ کرو“ (الاحزاب ۳۳:۳۳)۔ اس حکم کا تقاضا تو یہ ہے کہ عورتیں گھروں سے باہر نہ نکلیں لیکن اسی آیت کے اگلے حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کا منشا اپنی زینت کو نمایاں کرنے اور اس کی نمائش کے لیے گھروں سے نکلنے کی ممانعت کرنا ہے۔ دینی اور معاشرتی و معاشی ضروریات کے لیے نکلنے کی ممانعت کرنا مقصد نہیں ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ”قد اذن اللہ لیکن ان تخرجن لحوادثکم (صحیح بخاری کتاب النکاح باب خروج النساء لحوائجکم)“ ”اللہ نے تم کو اپنی ضروریات کے لیے گھروں سے نکلنے کی اجازت دے دی ہے۔“

اس آیت اور اس کی تشریح میں ارشاد رسولؐ سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ عورت کے لیے اصل حکم قواد فی البیوت کا ہے اور اس کا دائرہ کار اور میدان عمل اس کا گھر ہے لیکن اس کو اپنے دینی فرائض ادا کرنے یا اپنی دنیوی حوائج کے لیے بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت گھر سے باہر جانے کی اجازت دے دی گئی ہے بلکہ بعض حالات میں گھر سے نکلنے کو واجب بھی قرار دیا گیا ہے۔ لیکن گھروں سے نکلنے اور بیرون خانہ حوائج پوری کرنے یا دینی فرائض ادا کرنے والی خواتین کو بھی پردے کا حکم دیا گیا ہے: ”اے نبیؐ اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکالیا کریں“ (الاحزاب ۵۹:۳۳)۔

اس آیت میں چادریں پلو لٹکانے کے معنی کیا ہیں؟ اس کا جواب دور صحابہؓ کے بہت بڑے مفسر قرآن اور ترجمان القرآن، عبد اللہ ابن عباسؓ نے اس طرح دیا ہے کہ: ”چادریں کو پیشانی پر مضبوطی کے ساتھ چپکا کر اس کا ایک پلو ٹانگ پر اس طرح لٹکا دے کہ آنکھیں اگرچہ کھلی رہیں مگر سینے اور چہرے کا اکثر حصہ چھپ جائے“ (ابن جریر، سورۃ الاحزاب، آیت ۵۹)۔

ابن عباسؓ عربی زبان کے ماہر تھے اور فہم قرآن و حدیث کی بھی خصوصی مہارت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت کی اسی تعبیر و تفسیر کی بنیاد پر امام جصاصؒ، قاضی ابن العربیؒ، ابن جوزیؒ، امام رازیؒ، قرطبیؒ، ابن عطیہؒ، غزالیؒ، ابو حیان اندلسیؒ، ابن کثیرؒ، نیشاپوریؒ، مظہریؒ، ابوالسعود اور دوسرے مفسرین نے آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے کہ غیر محرم مردوں سے چہرے کا پردہ ضروری ہے۔ دور حاضر کے اردو مفسرین میں سے مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی محمد شفیعؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا عبد الماجد دریاہادیؒ، پیر کرم شاہ الاظہریؒ، مولانا مودودیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے بھی اسی طرح لکھا ہے کہ اس آیت سے چہرے کا پردہ ثابت ہوتا ہے۔ (ملاحظہ کیجیے ان مفسرین کی تفاسیر میں سورۃ الاحزاب، آیت ۵۹)۔

اس آیت کے نزول اور حجاب و نقاب کے حکم کے نفاذ کے بعد مسلمان عورتیں اپنا جسم اور چہرہ چھپا کر اس طرح نکلتی تھیں کہ صرف آنکھیں دیکھنے کے لیے کھلی رہتی تھیں۔ اصل شرعی حکم یہی ہے جو مذکورہ آیت سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے۔ اگر اس حکم کے خلاف کچھ نظائر دور صحابہ میں ملتے ہیں تو وہ حجاب و نقاب کے احکام نافذ ہونے سے پہلے کے ہوں گے یا کسی استثنائی صورت اور ضرورت سے متعلق ہوں گے یا پھر بعض خواتین کی شخصی بے احتیاطیاں ہوں گی۔ اس لیے ان نظائر سے قرآن کا مذکورہ حکم نہ منسوخ ہو سکتا ہے اور نہ اس میں ترمیم ہو سکتی ہے۔ قانون کے فہم میں اصل چیز اس کے الفاظ ہوتے ہیں اور اس کی تعبیر میں مستند ماہرین قانون ہی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ معاشرے کے کچھ افراد کا عمل قانون کی تعبیر کے لیے بطور دلیل نہیں پیش کیا جاسکتا اگرچہ وہ قرون اولیٰ کا معاشرہ ہو۔ اس لیے کہ اچھے سے اچھے معاشرے میں بھی ضرورت و مجبوری کی وجہ سے یا بشری کمزوری کی وجہ سے قانون کی خلاف ورزی کی مثالیں مل سکتی ہیں۔ البتہ اگر صحابہ کرامؓ کا عام تعامل اور اجماع موجود ہو کہ چہرے کا پردہ ضروری نہیں ہے تو پھر اس کو آیت مذکورہ کی تعبیر و تفسیر میں پیش کیا جاسکتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ ایسا اجماع تو کوئی پیش نہیں کر سکتا۔ دور صحابہؓ کے پاکیزہ معاشرے میں چہرے کے پردے کے بغیر سامنے آنے کی مثالیں تلاش کرنا اور ان کو دور حاضر میں بھی چہرے کا پردہ نہ کرنے کے لیے بطور دلیل پیش کرنا، آخر تحقیق کی کون سی قسم ہے؟ جبکہ ہمارے معاشرے میں بے حیائی، عریانی اور فحاشی کا ایک تہہ کن سیلاب آیا ہوا ہے اور یہ ملوث، نفسانیت اور حیوانیت کے غلبے کا دور ہے۔ صحابہؓ و صحابیاتؓ کا عمل بھی ہمارے لیے نمونہ ہے لیکن قرآن کے واضح حکم کے مقابلے میں ان کا عمل حجت نہیں بن سکتا۔

فقہائے اسلام میں جن ائمہ کی رائے یہ ہے کہ غیر محرم مردوں کے سامنے چہرے کو کھولنا جائز ہے، انہوں نے اس اجازت کو اس شرط کے ساتھ مشروط کر دیا ہے کہ اس سے فتنے کا خطرہ نہ ہو لیکن آج کل تو ہمارا معاشرہ فتنوں کے طوفان میں گھرا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان ائمہ کے متبعین و معتقدین کے نزدیک بھی آج کے پرفتن دور میں چہرے کا پردہ ضروری ہے (درمختار بمعہ رد المحتار باب شروط الصلوٰۃ ج ۱، ص ۳۷۷ اور المغطی والاباحہ ج ۵، ص ۳۲۵)۔ اس کی وجہ ”سد ذریعہ“ کا قانون ہے کہ کوئی جائز کام بلکہ مستحب کام بھی جب خرابی کا ذریعہ بنتا ہو تو اس پر پابندی لگائی جاسکتی ہے جبکہ خطرہ شدید ہو، صرف وہم پر مبنی نہ ہو۔

غیر محرم رشتہ داروں سے پردہ اور مشترک گھر

(۲) دوسرا مسئلہ غیر محرم اقارب سے پردہ کرنے کا ہے لیکن اس کا تعلق اس سوال سے ہے کہ کیا علیحدہ گھر عورت کا شرعی حق ہے؟ اس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے: اَسْكُنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ

وَجِدْكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ..... لِيُطِيقَ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَلْيُخْطِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ - لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا - سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ مِمَّا يَسِّرَ يَسْرًا (الطلاق ۶۵-۷۱) ”ان کو رہنے کے لئے گھروں
 جہاں تم خود رہتے ہو، اپنی مالی حیثیت کے مطابق اور ان کو ایذا نہ پہنچاؤ تاکہ تم ان پر تنگی نہ کرو۔۔۔۔۔ رزق کی
 فراخی والا شخص فراخی کے ساتھ خرچ کرے اور جس پر اس کا رزق تنگ کر دیا گیا ہو تو وہ اتنا خرچ کرے جتنا
 اس کو اللہ نے دیا ہے۔ اللہ کسی پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اسی چیز کا جو اس نے اس کو دی ہو۔ ابھی دے دے گا
 اللہ سختی کے بعد آسانی اور فراخی۔“ یہ آیات اگرچہ طلاق کی عدت گزارنے والی عورتوں کے بارے میں ہیں
 لیکن یہ منکوحہ عورتوں پر بطریق اولیٰ صادق آتی ہیں۔ ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ بیوی کے روٹی،
 کپڑے اور مکان کی ذمہ داری شوہر پر عائد ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو مال کی فراخی اور فراوانی دی ہو
 تو بیوی بچوں کو مکان اور نفقہ بھی اپنی حیثیت کے مطابق دے گا اور اگر اللہ تعالیٰ نے اسے رزق کی تنگی اور
 مال کے کمی کے امتحان میں ڈال دیا ہو تو اللہ نے جو دیا ہے اس کے مطابق خرچ کرے۔ اس آیت اور اس
 مسئلے پر دوسری نصوص کی روشنی میں فقہ حنفی کی معروف کتاب: الہدایہ میں تصریح کی گئی ہے: ”شوہر پر
 لازم ہے کہ بیوی کو رہنے کے لیے علیحدہ گھر فراہم کرے جس میں اس کے رشتے داروں میں سے اور کوئی نہ
 رہتا ہو الا یہ کہ بیوی ان کے ساتھ رہنے پر راضی ہو۔ اس لیے کہ بیوی کو مکان کی اسی طرح ضرورت ہوتی
 ہے جس طرح کہ نفقہ کی ضرورت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے خرچے کے ساتھ گھر کو بھی اس کا حق قرار دیا
 ہے۔ جب یہ اس کا حق ہے تو شوہر کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی اور کو بھی اس گھر میں اپنی بیوی کے ساتھ
 رہنے کی اجازت دے۔ اس لیے کہ اس کو تکلیف پہنچے گی، اس کا سامان محفوظ نہیں رہے گا، وہ اپنے شوہر
 کے ساتھ آزادانہ اور بے تکلفانہ زندگی نہیں گزار سکے گی (حسن معاشرت) اور میاں بیوی دونوں ازدواجی
 تعلقات (استمتاع) بھی قائم نہیں کر سکیں گے۔ اگر بیوی مشترک گھر میں رہنے پر راضی ہو جائے اور اپنے
 حق سے دست بردار ہو جائے تو اس کا علیحدہ گھر کا حق ساقط ہو جائے گا۔ اگر شوہر کا دوسری بیوی سے بیٹا ہو تو
 اس کو بھی بیوی کے گھر میں ٹھہرانے کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ اگر شوہر نے بیوی کو ایک بڑے مکان کے
 الگ کمرے میں ٹھہرایا ہو جس کا تالہ اور چابی الگ ہو تو یہ بھی کافی ہے، اس لیے کہ ضرورت پوری ہو گئی۔“
 ہدایہ بمعہ فتح القدیر، کتاب النکاح، باب النفقة، فصل فی الکفنی، ج ۳، ص ۳۹۔ فقہ شافعی، فقہ حنبلی
 اور فقہ مالکی میں بھی یہی حکم ہے۔ ملاحظہ کیجیے الموسوعة الفقهية الكويتية ج ۲۵، ص ۱۰۸-۱۰۹ مادہ
 الکفنی۔

باقی رہی شوہر کے والدین کی خدمت تو حسن معاشرت اور اخلاق حسنہ کا تقاضا ہے کہ میاں بیوی دونوں
 ایک دوسرے کے والدین کا احترام کریں، ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں اور ان کی خدمت بھی کریں۔ بیٹوں

کی تعلیم و ترقی ویسے بھی اسلامی معاشرے کے آداب میں شامل ہے۔ لیکن قانوناً تو بیوی پر اپنے شوہر کے لیے کھانا تیار کرنا، کپڑے دھونا اور گھر کی صفائی کرنا بھی لازم نہیں ہے تو شوہر کے والدین کی خدمت کرنے پر اسے کیسے مجبور کیا جاسکتا ہے؟ حنفیہ، شافعیہ اور حنبلیہ کا مسلک یہی ہے کہ بیوی کو گھر کے کام کرنے پر قانوناً و قضاءً مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ مالکیہ کا مسلک یہ ہے کہ حسب استطاعت بیوی کے لیے ضروری ہے کہ کھانا پکانے، کپڑے دھونے، صفائی کرنے اور دوسرے گھریلو کام کرنے کا بوجھ اٹھائے، اگر اس کے علاقے کا رسم و رواج اور عرف عام یہی ہو، اس لیے کہ یہ ”معاشرت بالمعروف“ کا تقاضا ہے۔ اس کے علاوہ صحابیاتؓ اور تابعیاتؓ اپنے شوہروں کے گھر کے کام کیا کرتی تھیں بلکہ بعض تو بیرون خانہ کاموں میں بھی ان کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ لیکن جمہور کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ حسن اخلاق اور حسن معاشرت کا تقاضا تھا، کوئی شرعی پابندی نہیں تھی بلکہ جمہور فقہاء کے نزدیک تو بیوی کے اپنے کام کرنے کے لیے خلوم کا خرچہ برداشت کرنا بھی شوہر پر لازم ہے اگر وہ اس کی استطاعت رکھتا ہو اور بیوی کو خدمت کے لیے خلوم کی ضرورت ہو۔ (فتاویٰ قاضی خان بر حاشیہ عالمگیری، ج ۱، ص ۳۳۳، فتح القدیر ج ۲، ص ۳۸۷، الموسوعة ص ۲۳-۵۹، مادہ زوج)۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ مکان ملکیتی ہو بلکہ کرائے کا مکان یا عاریتاً لیا گیا مکان بھی کلنی ہے۔ بیوی کے نفقہ اور سکونی اور زوجین کے حقوق و فرائض سے متعلق اور بھی احکام و آداب فقہ کی کتابوں میں بیان ہوئے ہیں لیکن وہ اس وقت موضوع سے باہر ہیں۔ باقی رہا یہ سوال کہ غیر محرم رشتے داروں سے پردے کی حدود کیا ہیں؟ اور کیا کوئی غیر محرم رشتے دار زنانہ مکان میں داخل ہو سکتا ہے؟ اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ سورہ نور کی آیت نمبر ۳۱ میں جن گیارہ افراد کا ذکر ہوا ہے ان کے علاوہ کسی اور کے سامنے عورت اپنی آرائش و زیبائش اور بناؤ سنگھار کا اظہار نہیں کر سکتی خواہ وہ بالکل اجنبی ہو یا غیر محرم رشتے دار ہو۔ اس آیت میں اگرچہ چچا اور ماسوں کا ذکر نہیں کیا گیا لیکن یہ دونوں آباء میں شامل ہیں۔ اسی طرح رضاعی اقارب کا ذکر بھی آیت میں نہیں ہوا لیکن بغدادی و مسلم کی متفق علیہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رضاعی محارم کا حکم وہی ہے جو نسبی محارم کا ہے۔ بہر حال محارم کے علاوہ دوسرے اعزہ و اقارب اور اجانب دونوں قسم کے مردوں کے سامنے زیب و زینت کی نمائش جائز نہیں ہے خواہ گھر کے اندر ہو یا گھر کے باہر۔

دوسری پابندی یہ ہے کہ شوہر کی پسند اور اجازت کے بغیر بیوی کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث میں فرمان نبویؐ نقل ہوا ہے کہ: **وَلَا تَاذَنُ فِي بَيْتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ** (بغدادی، کتاب النکاح) شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کسی کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دے۔ جابر بن عبد اللہؓ کی ایک طویل حدیث میں آیا ہے کہ: **فَلَا يُوَطَّنُ فَرَشَكُمْ مِنْ تَكْرَهُونَ وَلَا يَأْذَنُ فِي بَيْتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُونَ** (ترمذی کتاب التفسیر سورہ توبہ، ونحوہ فی مسلم حجتہ الوضاح) ”تمہاری بیویاں تمہارے بستروں پر ان کو نہ بٹھائیں

جن کو تم پسند نہ کرتے ہو۔ اور تمہارے گھروں میں ان کو داخل ہونے کی اجازت نہ دیں جن کو تم پسند نہ کرتے ہو۔“ ان احادیث کا صحیح مفہوم امام نوویؒ نے اس طرح بیان کیا ہے: ”بیوی کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنے شوہر کے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے سوائے اس کے جس کے بارے میں وہ جانتی ہو کہ میرا شوہر اس کے اندر آنے کو پسند نہیں کرتا اور وہ اس کے آنے پر ناراض نہیں ہے۔ خواہ اندرونِ خانہ آنے والا مرد ہو یا عورت اور محرم ہو یا غیر محرم“ (نووی شرح معانی مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۳۸۸)۔

اس حدیث اور اس کی مذکورہ تشریح سے معلوم ہوا کہ شوہر کی پسند اور اجازت کے بغیر محرم مرد اور عورت کو بھی گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جاسکتی اس لیے کہ بعض محارم اور عورتیں بھی فتنے اور خرابی کا باعث بن سکتی ہیں۔ شوہر کی پسند اور اجازت سے غیر محرم اعزہ و اقارب بھی اندر آسکتے ہیں۔ اس لیے کہ بعض غیر محرم رشتے داروں کے ساتھ محارم سے بھی زیادہ تعلقات اور روابط ہوتے ہیں اور وہ محارم کی طرح قتلِ اعتدال ہوتے ہیں۔ اس لیے ایسے رشتے دار اگر گھر کے دوسرے افراد کی موجودگی میں خاتونِ خانہ سے ملیں، بات کریں اور خاتون بھی سر اور سینے پر دھپہ ڈال کر یعنی ”بکل“ مار کر اس سے خیر خیرت پوچھے، دعا سلام کرے اور ضروری بات چیت کرے تو اس کی اجازت مذکورہ حدیث سے اشارتاً ثابت ہوتی ہے۔ اس بارے میں مولانا مودودیؒ کی رائے صائب معلوم ہوتی ہے اور حدیث مذکور کے مفہوم کے مطابق نظر آتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں: ”جن رشتے داروں سے ابدی حرمت کا رشتہ نہ ہو (یعنی جن سے ایک کنواری یا بیوہ عورت کا نکاح جائز ہو) وہ تو نہ محرم رشتے داروں کے حکم میں ہیں کہ عورتیں بے تکلفی کے ساتھ ان کے سامنے آئیں اور نہ بالکل اجنبیوں کی طرح ہیں کہ عورتیں ان سے ویسا ہی مکمل پردہ کریں جیسا غیروں سے کیا جاتا ہے۔ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ٹھیک ٹھیک کیا رویہ ہونا چاہیے؟ یہ شریعت میں متعین نہیں کیا گیا کیونکہ اس کا تعین ہو نہیں سکتا۔ اس کے حدود مختلف رشتے داروں کے معاملے میں ان کے رشتے، ان کی عمر، عورت کی عمر، خاندانی تعلقات و روابط اور فریقین کے حالات (مثلاً مکان کا مشترک ہونا یا الگ الگ مکانوں میں رہنا) کے لحاظ سے لامحالہ مختلف ہوں گے اور ہونے چاہئیں“ (تفسیر القرآن، ج ۳، ص ۳۸۸)۔

اس سلسلے میں تیسری اہم بات یہ ہے کہ غیر محرم رشتے دار کے ساتھ خلوت اور علیحدگی میں ملنا اور بیٹھنا ممنوع ہے۔ احادیث میں اس کو دین و اخلاق کے لیے تباہ کن قرار دیا گیا ہے۔ اس بارے میں چند احادیث ملاحظہ کیجیے تاکہ اس حکم کی اہمیت معلوم ہو جائے۔

(۱) عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ”اجنبی عورتوں کے پاس جانے سے دور رہو (علیحدگی میں)۔ اس پر انصار کے ایک شخص نے کہا کہ شوہر کے بھائی اور اس کے

دوسرے رشتے داروں کے بارے میں بھی بتائیے! آپؐ نے فرمایا: شوہر کے بھائی اور رشتے داروں سے خلوت میں ملنا تو موت ہے یعنی زیادہ خطرناک ہے۔“ (بخاری، مسلم)

متن حدیث میں ”المحمو“ آیا ہے جس کی جمع ہے ”احماء“۔ اس کا اطلاق اکثر تو شوہر کے بھائی پر ہوتا ہے لیکن امام نوویؒ نے مسلم کی شرح میں لکھا ہے: ”احماء شوہر کے اقارب کو کہتے ہیں مگر اس حدیث میں شوہر کا بھائی، اس کا بھتیجا، بھانجا، چچا، چچا زاد بھائی اور اس قسم کے وہ اقارب مراد ہیں جن کے ساتھ اس عورت کا نکاح جائز ہو، اگر وہ بیوہ ہو جائے۔ لوگ اس بارے میں چونکہ عام طور پر تساہل اور غفلت سے کام لیتے ہیں اس لیے ان کے ساتھ خلوت کو موت سے تشبیہ دے کر رسول اللہؐ نے اس کے ممکنہ خطرات سے آگاہ فرمایا ہے۔“

(۲) جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عورت کے پاس کوئی رات نہ گزارے مگر اس کا شوہر اور اس کا محرم“ (مسلم)۔

(۳) جابرؓ سے مروی ہے: ”ان عورتوں کے گھروں میں نہ جاؤ جن کے شوہر موجود نہ ہوں اس لیے کہ شیطان خون کی طرح تمہارے جسم میں گردش کرتا ہے“ (ترمذی فی الرضلع)۔

(۴) حضرت عمرؓ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کوئی بھی غیر محرم عورت کے ساتھ خلوت اور علیحدگی میں نہ ملے اس لیے کہ اس صورت میں ان دونوں کے ساتھ شیطان تیسرا ہوتا ہے“ (ترمذی فی الفتن)۔

(۵) ابن عباسؓ سے مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ خلوت میں ہرگز نہ ملے، مگر محرم کی موجودگی میں“ (بخاری فی النکاح)۔

ان احادیث کی بنا پر فقہائے اسلام کا اتفاق ہے کہ غیر محرم عورت کے ساتھ علیحدگی میں ملنا اور بیٹھنا حرام ہے، اس لیے کہ اس سے شیطانی خیالات آنے اور غیر اخلاقی افعال میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہے۔ لیکن حدیث نمبر پانچ سے ثابت ہے کہ اگر عورت کے پاس اس کا محرم یا شوہر موجود ہو تو اس صورت میں ملنا جائز ہے۔ اس لیے کہ یہ ”خلوت“ نہیں ہے اور اس سے کوئی خاص خطرہ بھی نہیں ہے۔ اسی طرح اگر مجلس میں دوسری عورت موجود ہو یا کئی عورتیں موجود ہوں یا مرد اور عورتیں دونوں موجود ہوں تو اس صورت میں ملنا جائز ہے۔ ابن عبدین شامیؒ لکھتے ہیں: ”خلوت کی حرمت اس وقت ختم ہو جاتی ہے جب کہ درمیان میں پردہ ہو یا محرم موجود ہو یا کوئی قاتل اعتکوفتہ عورت موجود ہو“ (رد المحتار ج ۵، ص ۲۳۶، شافعیہ) کا قول اصح یہی ہے المجموع شرح المہذب ج ۷، ص ۶۱-۶۲)۔